عالمِ اسلام کی تجدیدی و اصلاحی تحریکات

اپنے سیاسی پس منظر میں

(۳)

محمود احمد غازی

۲۹ نومبر ۱۷۵۸ کو عالمگیر ثانی کو قتل کردیا گیا، اس کی جگہ کام بخش کا ایک پوتا شاہجہاں سوم کے لقب سے تخت پر بیٹھا۔ اس دوران میں پنجاب میں پھر بعض واقعات رونما ہوئے جن کے نتیجہ میں پنجاب کا تقریباً پورا حصہ (ڈیرہ غازی خان تک) مرہٹوں کے اثر میں آگیا اور انھوں نے رتاجی سندھیا کو وہاں کا گورنر مقرر کردیا۔ ان واقعات کے علم میں آتے ہی احمد شاہ ابدالی پانچویں بار برصغیر میں داخل ہوا اور پنجاب سے مرہٹوں کو نکالتا ہوا دہلی کی طرف بڑھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب دہلی اور اس کے قرب و جوار میں مرہٹوں اور جاٹوں نے بڑی افراتفری مچا رکھی تھی۔ بالخصوص مرہٹوں نے تو وہ آفت بپا کی ہوئی تھی کہ الامان و الحفیظ! صفدر جنگ وغیرہ جیسے ناعاقبت اندیش اور غیر مخلص سیاستدانوں کے کرتوتوں کی وجہ سے یہ لوگ امور مملکت میں اس قدر دخیل اور اثر انداز ہوگئے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ ہندوستان بہت جلد ایک مرہٹہ ریاست بننے والا ہے۔ مشرق اور جنوب میں انگریزوں کے اثرات تیزی سے پھیل رہے تھے اور دارالحکومت اور اس کے قرب و جوار کے علاوہ قریب قریب پورے شمالی اور شمال مغربی ہندوستان میں مرہٹوں نے اودھم مچارکھا تھا۔ دوربیں نگاہیں رکھنے والے دردمند مسلم رہنما اندازہ لگارہے تھے کہ اگر بہت جلد ان دونوں دشمنوں سے نہ نمٹا گیا تو ہندوستان میں اسلامی اقتدار کا یہ ٹمٹماتا ہوا دیا بہت جلد بجھ جائے گا۔ مرہٹے چونکہ عین دارالحکومت میں موجود تھے اور مقامی باشندے ہونے کی وجہ سے انگریزوں کے مقابلہ میں بہرحال زیادہ خطرناک تھے اس لئے پہلے ان سے نمٹنا ضروری تھا۔ ماضی قریب کی تحقیقات سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ

چکی ہے کہ مرہٹوں کے استیصال کے اس پروگرام کے بنانے والوں اور اس کام کے لیے احمد شاہ ابدالی کو دعوت دینے والوں میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نام سر فہرست ہے(۱۰)۔

احمد شاہ ابدالی کے آخری حملہ سے قبل ہی نجیب الدولہ نے حضرت شاہ صاحب کی کوششوں سے اور ان کے زیر ہدایت مرہٹوں کے خلاف چھیڑ چھاڑ شروع کردی تھی۔ اس وقت ہندوستان میں کوئی طاقت ایسی نہ تھی جو مرہٹوں، سکھوں اور جاٹوں سے نبرد آزمائی کرسکتی۔ جنوبی ہندوستان میں لے دے کر ایک حیدر علی اور اس کا بیٹا ٹیپو سلطان تھے جو بیک وقت مرہٹوں اور انگریزوں سے بر سرپیکار تھے۔ مگر بیچارے حیدر علی اور اس کے نامور فرزند کی قوت ہی کیا تھی جو کسی شمار میں آتی۔ شمالی حصہ میں ایسا کوئی شخص نظر نہ آتا تھا جو اس فتنہ کی سرکوبی کرسکے۔ اس صورت حال کے پیش نظر ارباب بصیرت کی نظریں صرف احمد شاہ ابدالی اور اس کے معتمد نجیب الدولہ ہی کی طرف اٹھ سکتی تھیں۔ نجیب الدولہ نے بڑی زبردست سفارتی کوششوں کے بعد نہ صرف اودھ کے شجاع الدولہ کو بھی اس اہم اور نازک موقعہ پر ساتھ دینے پر آمادہ کیا بلکہ دوسری طرف اس نے جاٹوں کو بھی مرہٹوں سے الگ کردیا، ورنہ اس امر کا شدید خطرہ تھا کہ عین جنگ کے وقت یہ دونوں مسلمانوں کے خلاف متحد ہو جائیں گے۔

۱۷٦۰ کے موسم گرما میں احمد شاہ ابدالی کی فوجیں دھلی کے قریب شاھدرہ پہنچ کر دریائے جمنا کے اس پار خیمہ زن ہوگئیں، دریا کے دوسری طرف مرہٹوں نے پڑاؤ ڈال رکھا تھا سداشیوراؤ بھاؤجی مرہٹوں کا کمانڈر

۱۰۔ اس دور کی عمومی سیاست میں شاہ صاحب کے کردار کے لیے ملاحظہ فرمائیے : ۱۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی کا مضمون مندرجہ A History of Freedom Movement جلد اول، صفحات ۵۰۸-۵۰۹۔ ۲۔ شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۵۰ء ۳۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی: Ulema in Politics، کراچی ۱۹۷۲ء، صفحہ ۱۰۸ و ما بعدہ

اعظم تھا۔ ایک آدھ ماہ تک چھوٹی موٹی جھڑپیں ہوتی رہیں۔ بالآخر ۲۶ اکتوبر ۱۷۶۰ء کو احمد شاہ نے دریا پار کر کے دشمن کو دور تک پیچھے دھکیل دیا۔ دشمن نے پیچھے ہٹ کر پانی پت کے تاریخی میدان کو ہندوستان کی تاریخ کی اس ایک اہم ترین جنگ کے لئے منتخب کیا۔ ادھر احمد شاہ نے بھی دریائے جمنا سے چار میل کے فاصلے پر جنوب میں اپنے لشکر کو ٹھہرایا۔ اس میں بھی ایک دو ماہ گزر گئے۔ مرہٹوں نے اس موقع پر اپنی پوزیشن کمزور دیکھ کر مصالحت کی کوشش کی لیکن نجیب خاں نے ان تمام ہتکنڈوں کو ناکام بنا دیا۔ آخرکار ۶ جنوری ۱۷۶۱ء کو خود مرہٹوں نے جنگ شروع کر کے قصہ چکانے کا فیصلہ کرلیا(۱۶)۔

مذکورہ تاریخ کو علی الصباح مرہٹوں کے توپ خانہ نے حملہ کا آغاز کیا۔ مرہٹوں کے ہاں توپ خانے کا افسر اعلیٰ ایک ''مسلمان'' جنرل ابراہیم گاردی تھا، یہ شخص اس سے قبل فرانسیسیوں کی فوج میں رہ کر تربیت حاصل کر چکا تھا۔ زوال آفتاب کے قریب مسلمانوں نے جوابی حملہ کا آغاز کیا اور سہ پہر تک دشمن کی قوت مزاحمت جواب دے گئی۔ شام تک چالیس ہزار مرہٹے گرفتار کئے جاچکے تھے اور مقتولین کی تعداد اندازہ سے باہر ہے، یہ تعداد دولاکھ سے بہرحال اوپر بلکہ بعض کی رائے میں تین لاکھ سے بھی اوپر ہے۔(۱۷)

۱۶۔ جنگ کی صحیح تاریخ کے تعین میں مورخین مختلف الرائے ہیں پروفیسر شیخ عبدالرشید نے ۶ جنوری ڈاکٹر سید معین الحق نے ۱۳ جنوری، ڈاکٹر تارا چند نے ۱۴ جنوری، پیام شاہجہان پوری نے ۲۶ اپریل بیان کی ہے۔

۱۷۔ مرہٹوں کے مقتولین کی تعداد کے بارے میں بھی خاصا اختلاف ہے۔ عام طور پر ساڑھے تین لاکھ مرہٹوں کا قتل کیا جانا مشہور ہے لیکن اس کی کوئی مستند شہادت موجود نہیں۔ ڈاکٹر معین الحق نے اپنے مضمون Shah Abdali and the Third Battle of Panipat مندرجہ A History of Freedom Movement جلد اول صفحہ ۲۹۴ پر بتایا ہے کہ عین میدان جنگ میں قتل کئے جانے مرہٹوں کی تعداد کم از کم تیس ہزار تھی۔ پیام شاہجہان پوری اپنی کتاب تاریخ نظریہ پاکستان (لاہور، ۱۹۷۶ء) میں صفحہ ۹۳ پر لکھتے ہیں: اس جنگ میں ایک محتاط اندازہ کے مطابق دو لاکھ مرہٹے اور ان کے سردار کام آگئے اور مرہٹوں کا خاندان کوئی گھر ایسا نہ ہو جس کا کوئی نہ کوئی شخص میدان پانی پت میں ہلاک نہ ہوا ہو۔

دورِ زوال کے آغاز کے بعد سے برصغیر کی تاریخ میں یہ پہلی اور آخری بڑی کامیابی تھی جو اسلام اور مسلمانوں کو حاصل ہوئی۔ اس کامیابی نے ہندوستان کی تاریخ اور ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل کا رخ بدل دیا۔ اسلامی نشأۃ ثانیہ کا کام کرنے والوں کی راہ سے ایک بہت بڑی رکاوٹ دور ہوگئی۔ لیکن اب مسلمانوں کا عام مقابلہ براہ راست انگریزوں سے شروع ہوگیا اور تقریباً سو سال تک جاری رہا۔

مرہٹوں کے مقابلہ کے لئے تمام نمایاں مسلم سردار متحد ہوگئے تھے لیکن جنگ ختم ہوتے ہی پھر پرانے اختلافات عود کرآئے۔ نجیب الدولہ جیسا لائق سیاستداں بھی اس کامیابی کے بعد زیادہ عرصہ تک زندہ نہ رہا اور ۱۷۷۰ء میں اس کا انتقال ہوگیا، وہ اگر کچھ اور زندہ رہتا تو امید تھی کہ دہلی کی مرکزیت کچھ دن اور قائم رہ جاتی۔ لیکن حکومتوں کا عروج و زوال اور تاریخ کے دھاروں کی روانی بعض مخصوص افراد و شخصیات کے وجود و عدم وجود پر منحصر نہیں۔ دوسری طرف احمد شاہ ابدالی نے بھی مرہٹوں کے خاتمہ کے بعد ہندوستان کی سیاست اور تخت دہلی سے کوئی سروکار نہ رکھا، اس نے شاہ عالم ثانی کو اختیارات سپرد کئے اور واپس ہوگیا۔ اس طرح شمالی ہندوستان سے مرہٹہ قوت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئی، جنوب میں ان کا مقابلہ حیدرعلی نے ہوا جو جنوبی ہندوستان میں انگریزوں اور مرہٹوں کے پھیلتے ہوئے اثرات کو ختم کرنے کے لئے میدان عمل میں آیا اور وہاں اس نے ایک چھوٹی سی خودمختار مسلم ریاست قائم کرلی۔

ایک طرف ہندوستان کے شمال مغرب میں مرہٹوں کے خلاف کامیاب مہمات سر کی جارہی تھیں اور دوسری طرف مشرق میں بنگال کا حکمراں سراج الدولہ انگریزوں اور ان کے گماشتوں سے برسر پیکار تھا۔ سراج الدولہ جو علی وردی خان کا نواسہ تھا ۱۷۵۶ء میں اپنے نانا کی وفات کے بعد بنگال کا حکمراں بنا۔

یہ وہ وقت تھا جب انگریزوں کا اثر بنگال میں بہت پھیل چکا تھا اور تجارت و کاروبار سے آگے بڑھ کر انھوں نے بنگال کے سب سے مضبوط سیاسی اور فوجی گروہ کی حیثیت اختیار کرلی تھی۔ یہ لوگ بھاری بھاری تنخواہیں دے کر مقامی لوگوں کو اپنی فوجوں میں بھرتی کرتے اور ان سے نہ صرف اپنے ہم وطن بھائی بندوں کے گلے کاٹنے کی خدمات لیتے تھے بلکہ ہندوستان کے اصل باشندوں کو یہاں کے سیاسی، معاشی اور معاشرتی اقتدار سے بے دخل کرکے خود ان کی جگہ لینے میں بھی ان سے مدد لیتے تھے۔ سراج الدولہ کی تخت نشینی کے وقت تک انھوں نے اتنی قوت بہم پہنچالی تھی کہ وہ علی الاعلان اس کے اقتدار کو چیلنج کردیتے تھے۔ انھوں نے نہ صرف اس کی جائز ہدایات کو ماننے سے انکار کیا بلکہ اس کے مخالفین کی بھی درپردہ حمایت کی اور بہت سے ایسے لوگوں کو اپنے ہاں سیاسی پناہ بھی دی جو کسی وجہ سے سراج الدولہ کو مطلوب تھے۔

ان تمام باتوں کے پیش نظر سراج الدولہ نے انگریزوں کے ''دارالحکومت'' کلکتہ پر قبضہ کرکے ان کو سخت سزادی۔ انگریزوں نے شکست کا انتقام لینے کے لئے مدراس سے لارڈ کلائیو کی قیادت میں بری اور ایڈمرل واٹسن کی سرکردگی میں بحری فوج بنگال بھیجی۔ لیکن یہ فوج کوئی خاص کامیابی حاصل نہ کرسکی اور صلح پر مجبور ہوگئی۔ سراج الدولہ نے ان لوگوں کی سابقہ حرکتوں کو معاف کرتے ہوئے ان کا دارالحکومت ان کو واپس کردیا۔ اب کلائیو نے درپردہ سراج الدولہ کے کمانڈر انچیف میر جعفر کے ساتھ سازش کرکے بلا کسی خاص سبب کے ایک جنگ چھیڑدی جس میں میر جعفر کی غداریوں کے نتیجہ میں سراج الدولہ شہید ہوگیا اور میر جعفر بنگال کا برائے نام اور انگریز وہاں کے حقیقی حاکم قرار پائے۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد انگریزوں نے میر جعفر کے نام کا یہ پردہ بھی ختم کردیا اور خود اپنے اصلی روپ میں سامنے آگئے۔ اس طرح انگریزوں کو ہندوستان میں ایک مستقل ٹھکانا میسر

آگئی اور انھوں نے ایک جگہ سہم کر اپنے اصل مقصد کے حصول کے لئے براہ راست جدوجہد شروع کردی۔ ۱۷۶۵ء میں شاہ دھلی شاہ عالم ثانی نے ایک معقول سی سالانہ پیشکش کے عوض بنگال بہار اور اڑیسہ کی دیوانی باقاعدہ طور پر انگریزوں کے سپرد کردی۔ اس طرح ''مرکزی'' حکومت نے انگریزوں کے استعماری عزائم کو ایک گونہ قانونی شکل دیدی(۱۸)۔

اب صورت حال یہ تھی کہ مشرق اور بمبئی کی سمت سے انگریز بڑھے چلے آرہے تھے اور جنوب میں مرہٹوں کا اثر و رسوخ بھی ابھی قابل ذکر حد تک موجود تھا۔ مرہٹے شیواجی، بالاجی، باجی‌راؤ جیسے لیڈروں کی قیادت میں مغلوں، حیدرعلی اور دوسرے بااثر مسلمانوں سرداروں سے پنجہ آزمائی شروع کردی تھی لیکن یہ لوگ سکھوں کی طرح منظم اور متحد قوت نہ تھے۔ یہ صرف منفی اهمیت رکھتے تھے اور اسی سے کام لیتے تھے۔ لیکن ظاہر ہے کہ کوئی تحریک محض منفی بنیادوں پر زیادہ دیر تک نہیں چلائی جا سکتی۔ یہاں بھی یہی ہوا، مرہٹوں کی قوت جلد ھی انتشار کا شکار ھوگئی، ان میں آپس کے اختلافات نے جنم لے لیا اور یہ لوگ ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار ھوگئے۔ بالآخر انیسویں صدی کے اوائل تک ان کی سیاسی حیثیت بالکل ختم ھوگئی۔

شاہ عالم ثانی کے دور کے اہم واقعات میں سے میسور کی ریاست خداداد کا عروج و زوال بھی ہے۔ سلطان حیدر علی جو اس ریاست کا بانی تھا ابتدا میں وھاں کے ایک مقامی راجہ واڈیار کا معمولی فوجی عہدیدار تھا وھاں اس نے اپنی فوجی اور انتظامی لیاقت کے اعلیٰ جوہر دکھائے اور مرہٹوں کے خلاف کامیاب مہمات کی قیادت کی۔ اس طرح ریاست کے معاملات میں اس کا اثر و رسوخ بڑھتا چلا گیا، ۱۷۶۶ء میں مہاراجہ کے انتقال پر وہ شہر میسور کا حکمران بنا اور بہت جلد اس کو فوجی اور انتظامی اعتبار سے ایک نمایاں مقام پر پہنچادیا۔

۱۸۔ ڈاکٹر سید معین الحق A History of Freedom Movement جلد اول، صفحات [illegible]

اب مرہٹوں اور حیدر علی میں جنوبی ہندوستان پر بالادستی حاصل کرنے کے لئے مقابلہ شروع ہوا اور سچی بات یہ ہے کہ اگر حیدر علی کی شکل میں مرہٹوں کی راہ میں یہ رکاوٹ پیدا نہ ہوتی تو وہ جنوبی ہندوستان میں ایک مرہٹہ ریاست قائم کر ڈالنے میں کامیاب ہوگئے ہوتے۔ لیکن حیدر علی نے پے درپے بدلور، کنار وغیرہ بڑے بڑے قلعہ فتح کرکے اپنی پوزیشن نہایت مستحکم کرلی۔ ۱۷۷۲ء میں مرہٹوں نے نظام دکن اور انگریزوں کی مدد سے میسور پر حملہ کردیا۔ حیدر علی کو اس جنگ میں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے بعد حیدر علی کو مرہٹوں کے ہاتھوں یکے بعد دیگرے کئی شکستیں اٹھانی پڑیں۔ لیکن حیدر علی جلد ہی سنبھل گیا اور اس نے خود کو ہر ممکنہ حملہ کے لئے بڑی حد تک تیار کرلیا، دوسری طرف مخالفین بھی خاموش نہ تھے۔ مرہٹوں نے اب کی بار پھر انگریزوں اور نظام کی مدد سے میسور پر حملہ کیا۔ لیکن حیدر علی کی کامیاب ڈپلومیسی نے نظام کو انگریزوں اور مرہٹوں کے ساتھ تعاون کرنے سے باز رکھا۔ اس کی فوجی لیاقت نے انگریزوں اور مرہٹوں کو میدان جنگ میں عبرت ناک شکست دی۔ وہ انگریزوں کو دھکیلتا ہوا مدراس تک لے گیا اور ان کو اپنی مرضی کی شرائط پر صلح کرنے پر مجبور کردیا۔ لیکن انگریزوں نے اس وقت صلح کرلینے کے باوجود آئندہ ہر موقع پر اس معاہدہ کی خلاف ورزی ہی کی (۱۹)۔

ان خلاف ورزیوں اور میسور کی حدود میں باربار مسلح مداخلت کا بدلہ چکانے کے لئے حیدر علی نے ۱۷۷۹ میں انگریزوں کے خلاف اعلان جنگ کردیا اور تقریباً ایک لاکھ کا لشکر جرار لے کر انگریزوں پر حملہ آور ہوا۔ اس جنگ میں انگریزوں کو شکست فاش ہوئی۔ یہ جنگ اور انگریزوں کی طرف سے جوابی جنگ ابھی جاری ہی تھی کہ ۱۷۸۲ میں حیدر علی کا انتقال

۱۹۔ تفصیلات کے لئے دیکھئے پروفیسر کے علی: حوالہ ما قبل، صفحات ۲۰۴-۲۰۹

ہوگیا اور اس کا قابل فخر اور لائق بیٹا ابوالفتح فتح علی ٹیپو اس کا جانشین ہوا۔ اس نے انگریزوں کو پے در پے کئی عبرت ناک شکستیں دیں۔ ۱۷۸۴ء میں ایک معاہدے کے نتیجہ میں یہ جنگ بند ہوگئی۔ اس جنگ میں ٹیپو سلطان نے بدنور، منگلور اور کئی دوسرے علاقے انگریزی تسلط سے آزاد کرائے۔ یہ جنگ تاریخ میں دوسری جنگ میسور کے نام سے مشہور ہے(۲۰)۔

اس کے چند سال کے بعد کارنوالس کے زمانے میں تیسری جنگ میسور ہوئی جو کئی سال تک جاری رہی۔ اس جنگ میں ٹیپو سلطان نے اپنی حربی صلاحیتوں اور بہادری کا دشمنوں تک سے لوہا منوالیا۔ لیکن سلطنت میسور طویل جنگ کی متحمل نہ ہوسکتی تھی جبکہ دوسری طرف انگریز اور ان کے حواری برابر باہر سے کمک حاصل کررہے تھے اور برسوں تک جنگ جاری رکھ سکتے تھے۔ چنانچہ کئی سال کی اس جنگ کا سب سے زیادہ نقصان سلطنت میسور ہی کو اٹھانا پڑا اور بالآخر ٹیپو سلطان کو ۱۷۹۲ء میں انگریزوں سے ایک معاہدہ کرلینا پڑا جس کی اکثر و بیشتر دفعات سلطان کے خلاف جاتی تھیں۔ سات آٹھ سال کی طویل اور لگاتار جدوجہد کے بعد سلطان نے کافی حد تک اس نقصان کا تدارک کرلیا جو اس کو سابقہ جنگوں میں اٹھانا پڑا تھا۔ ۱۷۹۹ء میں لارڈ ولزلی کے زمانہ میں میسور کی چوتھی اور آخری جنگ ہوئی۔ انگریزوں اور ان کے حواریوں نے یہ جنگ بڑی تیاریوں اور منصوبہ بندی کے بعد شروع کی تھی۔ انھوں نے اچانک کئی طرف سے ٹیپو سلطان پر حملہ کردیا اور اس کام کے لئے اپنے کئی ماہر جنرلوں کی سرکردگی میں زبردست فوجیں بھیج دیں۔ اسی دوران میں نظام حیدرآباد نے بھی ایک اور خصوصی دستہ ایک انگریز افسر کی زیر قیادت ٹیپو کے خلاف انگریزوں کی مدد کے لئے بھیجدیا۔ دوسری طرف ٹیپو کے وزراء میر صادق اور میر غلام علی اور ان کے ساتھیوں نے غداری کی انتہا کردی۔ ان لوگوں نے پہلے سے انگریزوں سے ساز باز کرکے

۲۰۔ ایضاً، [illegible]

ٹیپو سلطان کو انگریزی افواج کی پیش قدمی سے نہ صرف بے خبر رکھا بلکہ یہ لوگ اس کو غلط اطلاعات پہنچاتے رہے۔ کہا جاتا ہے کہ ٹیپو کے ہاں جو شخص توپ خانے کا انچارج تھا اس نے توپ خانہ کو ایسے گولے مہیا کئے جن میں بارود کی جگہ ریت اور بھس بھر دیا گیا تھا۔ بہرحال ان تمام چیزوں کے نتیجہ میں ٹیپو سلطان کو شکست ہوگئی اور ۴ مئی ۱۷۹۹ء کو اس نے میدان جنگ میں لڑتے ہوئے خود بھی اپنی جان جان آفریں کے سپرد کی۔ اس طرح ہندوستان پر انگریزی قبضہ کی راہ سے وہ آخری موثر رکاوٹ بھی ختم ہوگئی جس نے انگریزی استعمار کو کافی دنوں تک آگے بڑھنے سے روک رکھا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس وقت ہندوستان بھر میں ٹیپو سلطان ہی وہ واحد شخص تھا جو نہ صرف انگریزی استعمار کے خطرہ کی سنگین نوعیت کو سمجھتا تھا بلکہ اس کے تدارک کے صحیح طریقہ کار سے بھی واقف تھا اور اس پر مقدور بھر عمل پیرا بھی تھا۔ اس وقت سب سے پہلا کام جو کرنے کا تھا وہ ایک مستحکم حکومت کی بنیاد ڈال کر لوگوں کو انگریزی خطرہ کے خلاف متحد کرنے کا تھا۔ ٹیپو سلطان نے یہ کام بڑی کامیابی کے ساتھ کیا۔ اس نے قلیل عرصہ میں ایک ایسی مضبوط اور مستحکم حکومت کی بنیادیں استوار کردیں جس نے ایک چوتھائی صدی سے زائد عرصہ تک انگریزوں، مرہٹوں اور ان کے همراهیوں کے متحدہ محاذ کو ناکوں چنے چبوائے رکھے۔ اس کی حکومت کی خوش‌حالی اور معاشی استحکام کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ تاریخ ہند کے ممتاز مورخ مولوی ذکاءاللہ تک کو جنہوں نے اپنی تاریخ کی آخری جلدوں میں انگریزوں کے نقطۂ نظر کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے، لکھنا پڑا:

"حقیقت حال یہ ہے کہ جس وقت سرکار کی سپاہ نے قدم سلطان کی مملکت میں رکھا تو اس کے عمدہ انتظام کو دیکھ کر اونکی آنکھیں کھل گئیں۔

سارا ملک سرسبز و شاداب باغ بنا ہوا، رعایا تمام آباد اور خوشحال۔ ہندوستان کے کسی قطعہ میں ملک ایسا مرفہ الحال اور آسودہ نہ تھا، خود سرکار کمپنی کا ملک اور اس کی شادابی کے آگے پانی بھرتا تھا۔" (۲۱)

لیکن ان سب کوششوں اور تدابیر کے باوجود اپنوں کی غداریوں، دوستوں کی بےوفائیوں اور دوسرے لاتعداد اسباب نے بہرحال اپنے منطقی و تاریخی نتائج پیدا کئے۔ یہ نتائج محض ایک فرد کے جوش و ولولے، عالی حوصلگی اور خلوص و لگن کی وجہ سے ظاہر ہونے سے نہ رک سکتے تھے۔ یہ سب نتائج ظاہر ہوئے اور آج اپنی تمام‌تر حشر سامانیوں کے ساتھ ہمارے سامنے موجود ہیں۔

ایک طرف ٹیپو سلطان انگریزوں اور ان کے حواریوں کے متحدہ محاذ سے برسرپیکار تھا دوسری طرف شمالی ہندوستان میں اس علاقہ کا واحد آزاد، اولوالعزم، بہادر اور مخلص حکمران روہیلکھنڈ کا حافظ رحمت خان دشمنان ملک و ملت سے نبرد آزما تھا۔ نہ صرف انگریز اور مرہٹے بلکہ اودھ کا خودغرض اور عیار حکمران شجاع‌الدولہ بھی اس کو اپنی راہ کا روڑا سمجھتا تھا۔ ان لوگوں کی کوشش تھی کہ روہیل کھنڈ کی اس اسلامی ریاست کا خاتمہ کرکے اس کو آپس میں حصہ رسد تقسیم کرلیں۔ چنانچہ ان تینوں قوتوں نے متفقہ طور پر حافظ صاحب کے خلاف اعلان جنگ کردیا۔ انھوں نے بڑی مردانگی اور جرات کے ساتھ حملہ آوروں کا مقابلہ کیا لیکن عین میدان جنگ میں توپ کا گولہ لگنے سے شہید ہوگئے۔ "اس طرح انگریزوں اور مرہٹوں کا ایک بہادر اور مضبوط حریف ایک نام نہاد مسلمان حکمران کی سازش کے نتیجہ میں ان کے راستہ سے ہٹ گیا، ایک اور اسلامی ریاست کا چراغ گل ہوگیا جس کا سربراہ ذہنی لحاظ سے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے مکتب فکر سے تعلق رکھتا تھا۔" (۲۲) - یہ واقعہ ۱۷۷۴ء کا ہے۔

۲۱- مولوی ذکاءاللہ: تاریخ ہندوستان، جلد ۲، صفحہ ۹۴

۲۲- پیام شاہجہانپوری: تاریخ نظریہ پاکستان، لاہور ۱۹۸۰، صفحات ۲۰، ۲۱

ادھر دھلی میں شاہ عالم ثانی ۱۸۰۶ تک "بادشاہ" رہا۔ مشہور جملہ "حکومت شاہ عالم از دھلی تا پالم" اسی شاہ عالم کے دور کے بارے میں ہے اس کے دور میں کم و بیش تمام ہی اہم ریاستیں انگریزوں نے ایک ایک کرکے ھتیا لیں۔ بڑی ریاست ھوتی تو اس پر بدانتظامی یا بدامنی کا الزام عائد کرکے اس کی بدانتظامی اور بدامنی کو دور کرنا اپنا فرض جانتے اور انسانیت کی خدمت کا مقتضی سمجھ کر اس پر قبضہ کرڈالتے، کسی چھوٹی ریاست پر پنجے جمانے کا ارادہ ھوتا تو اس تکلف کی بھی ضرورت محسوس نہ کی جاتی۔

شاہ عالم ثانی کے آخری دور میں ۱۸۰۳ میں انگریزوں نے پنجاب اور سندھ کو چھوڑ کر پورے ھندوستان پر تسلط حاصل کرلیا۔ یہ لوگ مرھٹوں کو جنھوں نے دارالحکومت دھلی میں اپنا خاصا اثر قائم کر رکھا تھا شکست دے کر فاتحانہ طور پر دھلی میں داخل ھوئے، یہ واقعہ بھی ۱۸۰۳ ھی کا ہے۔ دھلی میں کو کہنے کو شاہ عالم ثانی "حکمراں" تھا لیکن حالت یہ تھی کہ پندرہ سال سے آنکھوں سے نابینا(۲۳)، امور سلطنت سے بے خبر، اختیارات سے عاری ایک عمر رسیدہ شخص تھا جو خاندان تیموری کی گذشتہ شوکت و سطوت کے ایک مضمحل سے نشان کے طور پر قلعہ میں بیٹھا رھتا تھا۔ انگریز وائسرائے لارڈ ولزلی نے مغلوں کی اس یادگار کو سرے سے ختم کرنا تو مناسب نہ سمجھا کہ لوگوں کو اب بھی اس کی ذات سے ایک گونہ وابستگی بہرحال موجود تھی

۲۳۔ اٹھارویں صدی کے آٹھویں اور نویں عشرہ میں دھلی میں مرھٹوں نے اپنی قوت مجتمع کرکے اپنا خاصا اثر پیدا کرلیا تھا۔ ایک مرھٹہ سردار سندھیا نے شاہ عالم کے مزاج میں اس قدر دخل پیدا کرلیا تھا کہ وہ اس کو اپنا فرزند جگربند کہنے لگا تھا۔ ۱۷۸۸ میں روھیلہ سردار غلام قادرخاں نے مرھٹوں کو دھلی سے نکال کر شاہ عالم کی جگہ ایک اور شہزادے کو تخت پر بٹھانا چاھا۔ شاہ عالم کی طرف سے مزاحمت کئے جانے پر غلام قادر روھیلہ نے اس کو اندھا کرکے قید کردیا۔ لیکن جلد ھی سندھیا دوبارہ فوج لیے کر آیا اور غلام قادر کو دھلی سے نکال کر اندھے شاہ عالم ھی کو تخت پر بٹھا دیا اور خود امور مملکت کا مختار کل ھوگیا۔ بالآخر ۱۸۰۳ میں انگریزوں نے خود مرھٹوں کی جگہ لے لی اور نابینا شاہ عالم بدستور "حکمراں" رھا۔

اور اس کی ذات یا منصب کو کسی قسم کا گزند پہنچنے سے عوام الناس کے بھڑک اٹھنے کا اندیشہ تھا لیکن ولزلی نے یہ ضرور کیا کہ اس کو کچھ جاگیریں دے دلا کر اس سے رہے سہے اختیارات بھی لے لئے۔ اس کے نام اور اختیار کی اب کوئی اہمیت تھی تو صرف دھلی شہر کی حدود میں بلکہ قلعہ کی چہار دیواری میں تھی۔ گو اس کے جانشینوں اکبر شاہ اور بہادر شاہ کو کو یہ چیز بھی میسر نہ رہی(۲۳)۔

۱۸۰۶ میں شاہ عالم ثانی کے انتقال پر اکبر شاہ ثانی تخت نشین ہوا اور ۳۱ سال تک (۱۸۳۷ تک) قلعہ دھلی پر حکومت کرتا رہا۔ اکبر شاہ ثانی کے دور کا اہم واقعہ حضرت سید احمد شہید رحمۃاللہعلیہ اور ان کے رفقاء کی تحریک تجدید و اصلاح کا ظہور ہے جس کو تحریک جہاد، تحریک موحدین اور تحریک وھابیت کے ناموں سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ سید صاحب اور ان کے رفقاء نے ہندوستان کو اس منجدھار سے نکال کر یہاں ایک خالص اسلامی حکومت خلافت علی منہاج النبوت کے نمونہ پر قائم کرنا چاہی۔ یہ حضرات ایک قلیل عرصہ کے لئے ہندوستان کے شمالی مغربی سرحدی صوبہ میں اپنا ایک مرکز قائم کرنے میں کامیاب بھی ہوئے لیکن یہاں بھی بالآخر وہی ہوا جو ٹیپو کے ساتھ جنوبی ہندوستان میں اور حافظ رحمت خان کے ساتھ شمالی ہندوستان میں ہو چکا تھا۔

اکبر شاہ ثانی کا دور حکومت کسی خاص اہمیت کا حامل نہیں۔ اور نہ اس مدت میں کوئی خاص سیاسی واقعہ پیش آیا۔ انگریز گورنر جنرل آتے اور جاتے رہے، حاکم بدلتے رہے اور علاقے پر علاقے انگریزوں کی عملداری میں شامل ہوتے رہے۔ بعض زیادہ پرجوش اور فعال انگریز کارپردازان کمپنی

۲۳۔ آخری مغل تخت نشینوں اور کمپنی کے درمیان تعلقات کی نوعیت کے لئے دیکھئے ڈاکٹر سید معین الحق The Last Days of the Mughal Dynasty مندرجہ A History of
مندرجہ A History of Freedom Movement جلد دوم کراچی ۱۹۶۰ء صفحات
۲۶۴۔

نے متعدد اصلاحات بھی جاری کیں۔ غرض انگریزوں کی عملداری میں تیزی سے اضافہ ہوتا رہا تا آنکہ اصل حکومت انگریز صاحب ریزیڈنٹ بہادر مقیم دہلی کے ہاتھ میں آگئی اور بادشاہ صرف وظیفہ خوار ہوکر رہ گیا۔ اس دور کے متعلق بڑے بوڑھوں سے سنا ہے کہ جب کوئی اہم اعلان کیا جاتا تھا تو سرکاری پیادہ لوگوں کو متوجہ کرنے کے لئے جو الفاظ بولا کرتا تھا وہ کچھ یوں ہوتے تھے: ”خلقت خدا کی، ملک بادشاہ سلامت کا، حکم سرکار کمپنی بہادر کا، سنو لوگو سنو۔۔۔“

۱۸۳۷ میں بہادر شاہ ثانی حکمراں ہوا۔ یہ آخری مغل حکمراں تھا جو تخت دہلی پر بیٹھا۔ بہادر شاہ ظفر نہایت شریف النفس اور نیک سیرت انسان تھا اور اعلیٰ اور ستھرے ادبی ذوق کا مالک تھا۔ بہادر شاہ کی تخت نشینی کے تھوڑے ہی عرصہ بعد ۱۸۴۳ میں سندھ کے تالپور امراء اور انگریزوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی یا بالفاظ دیگر انگریزوں نے مناسب موقع دیکھ کر یہ جنگ چھیڑدی۔ تالپوروں کو شکست ہوئی اور سندھ انگریزی اقتدار تلے آگیا۔ سندھ کے بعد قابل ذکر علاقہ صرف پنجاب کا تھا جو سکھوں کے زیر انتظام تھا اور بڑی حد تک انگریزوں کے براہ راست تسلط سے محفوظ تھا۔ فتح سندھ کے دو تین ہی سال بعد انگریزوں اور سکھوں میں معرکہ آرائی شروع ہوگئی۔ یکے بعد دیگرے چند معرکوں کے بعد ۱۸۴۹ میں سکھوں کو زبردست شکست ہوئی اور پورا پنجاب بھی انگریزی قلمرو کا جزو بن گیا۔ اب انگریزی حکومت رنگون سے کراچی تک اور کشمیر سے جزیرہ لنکا تک پھیل چکی تھی۔ اس طرح وہ ”تاجر“ جو ۱۴۹۸ میں واسکوڈی گاما کی دریافت ہندوستان کے بعد سے تجارت کے لئے ہندوستان آنے شروع ہوئے تھے اور جنہوں نے ۱۶۰۰ میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام سے ایک تجارتی کمپنی قائم کی تھی وہ اب ٹھیکے پر پورے ہندوستان کی حکمرانی کر رہے تھے۔

تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

(جاری)